خورشید احمد ندیم

دینی حمیت کیا ہے؟

الوہی ہدایت، اسوۂ پیغمبر، اخلاق اور قانون، سب سے صرف نظر کرتے ہوئے اپنی باگ جذبات کے ہاتھ میں دے دینا کیا دینی حمیت ہے؟ یا پھر دنیاوی مفاد، عوامی ذوق اور ملامت و اکرام سے بے نیاز ہو کر خدا کے احکام کی پیروی اور بیان کا نام دینی حمیت ہے؟ جذبات کو دین کے تابع کرنا یا دین کو جذبات کا مطیع بنانا؟ دینی حمیت کس بات کا تقاضا کرتی ہے؟

کوئی بدنصیب دین کے احکام یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طاہر و پاکیزہ ہستی کو ہدف بناتا ہے۔ کتاب لکھتا اور اسے پھیلا دیتا ہے۔ ایک مسلمان کتاب پڑھتا اور مضطرب ہو جاتا ہے۔ اُس کی رات کا چین اور دن کا سکون چھن جاتا ہے۔ وہ اٹھتا اور ایک عزم کرتا ہے: میں ایک ایسی کتاب لکھوں گا جو اس زہر کا تریاق بنے گی جو اس کتاب سے پھیلا ہے۔ وہ اس ارادے کے ساتھ گھر سے نکلتا، دنیا کی خاک چھانتا، کتب خانوں کو کھنگالتا اور اس مہم میں اپنی عمر بھر کی جمع پونجی صرف کرنے کے بعد ایک کتاب لکھتا ہے جو مذموم کتاب کا جواب ہے۔

وہ سوچتا ہے: مصنف نے باقی نہیں رہنا، لیکن کتاب رہ جائے گی، اس لیے کتاب کو مارنا ضروری ہے۔ کتاب کو مارنا، اس کے استدلال کو رد کرنا ہے۔ اس کی علمی کم زوریوں کو طشت از بام کرنا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ کتاب کی پھیلائی ہوئی گم راہی کا ازالہ اسی طرح ممکن ہے۔ وہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے روبرو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس پر فخر کا اظہار کریں کہ یہ میرا وہ امتی ہے جس نے میری ناموس کے دفاع میں اپنی آخری پونجی تک لٹا دی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آدمی نے دینی حمیت کا مظاہرہ نہیں کیا؟

ایک رد عمل یہ ہے کہ مصنف نے میرے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی، میں اشتعال میں آیا اور یہ چاہا کہ اپنے جذبات کی تسکین کروں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کیا ہے، اسوۂ پیغمبر کیا ہے، اخلاق اور قانون کیا تقاضا کرتے

ہیں؟ مجھے کسی سے کچھ غرض نہیں۔ میں اٹھتا اور اپنے جذبات کی اتباع میں آخری اقدام کر گزرتا ہوں۔ کیا اسے دینی حمیت کا مظاہرہ کہا جائے گا؟ کیا میرا پروردگار مجھ سے یہی چاہتا تھا؟

یہ سوال میں نے اس لیے اٹھائے ہیں کہ دور حاضر میں جب کوئی پہلا طرز عمل اختیار کرتا ہے تو یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ جیسے یہ رویہ دینی حمیت کے خلاف ہے یا کم از کم رخصت یا مداہنت کا اظہار تو ہے۔ اگر کوئی رویہ مطلوب ہے یا جسے عزیمت کہنا چاہیے تو وہ دوسرا ہی ہے۔ اسی کو مثالی اور اسی کو دینی حمیت کا مظہر قرار دیا جاتا ہے۔ کیا یہ نتیجۂ فکر درست ہے؟ یہ سوال اصلاً اہل علم سے متعلق ہے۔ اہل علم جب کسی رویے کی توثیق کرتے ہیں تو اسے دینی سند حاصل ہو جاتی ہے۔ عامی کا ردعمل، بالعموم علما کی آرا کے تابع ہوتا ہے۔ اگر وہ پہلے رویے کی تائید کریں گے تو عوام میں اسی طرح کی سوچ پیدا ہو گی اور اگر وہ دوسرے رویے کی تحسین کریں گے تو عامۃ الناس اسے قبول کریں گے۔ اہل علم کی آزمایش یہ ہے کہ وہ ایسے مواقع پر کیا موقف اختیار کرتے ہیں۔

سوشل میڈیا پر ایک ہنگامہ برپا رہتا ہے۔ یہاں اگر خدا کو ماننے والے اپنی بات کہہ رہے ہیں تو ایسے بھی ہیں جو اس کے وجود ہی کا انکار کرتے ہیں۔ یہی نہیں، ان کا رویہ عمومی اخلاقیات سے بھی گرا ہوا ہوتا ہے۔ دشنام ان کی لغت اور کذب ان کی دلیل ہوتی ہے۔ ان کا اسلوب ایسا ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کو ماننے والے کے جذبات کھول اٹھتے ہیں۔ اگر وہ کوئی صاحب علم ہے تو دینی حمیت اس سے کیا تقاضا کرتی ہے؟ وہ ان کے لگائے ہوئے میدان میں اترے اور وہی ہتھیار اٹھا لے مخالفین جن سے لیس ہیں یا پہلے یہ جانے کہ ایسے رویوں کے بارے میں خود عالم کے پروردگار کی ہدایت کیا رہنمائی کرتی ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ کسی جبر کی موجودگی میں اپنی رائے بے کم و کاست بیان کرنا اور پھر اس جبر کے باوصف، اپنے موقف پر قائم رہنا ہی عزیمت ہے۔ جبر کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ یہ ریاست کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ حالات کا بھی ایک جبر ہوتا ہے اور جذبات کا بھی۔ عوامی مذاق کے برخلاف کوئی بات کہنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ جبر کی سب سے سنگین صورت ہے۔ اہل علم کے لیے دینی حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی جبر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دین کو ویسے بیان کریں، جیسے انھوں نے سمجھا اور پھر اس راہ میں ہر مشکل کا سامنا کرنے کے لیے ڈٹ جائیں۔

ہم اپنی تاریخ کے جن اہل علم کی تعریف کرتے اور ان کو اپنے ائمہ میں شمار کرتے ہیں، ان کا اسوہ یہی ہے۔ امام مالک ایک آسودہ حال زندگی گزارتے تھے۔ ارباب اقتدار ان کا احترام کرتے تھے۔ جب جبری طلاق کا مسئلہ اٹھا تو انھوں نے ریاست کے جبر کو مسترد کر دیا۔ امام احمد بن حنبل کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ یہاں رائے

کی صحت نہیں، رویہ زیر بحث ہے۔ اہل علم اسی کو عزیمت سمجھتے ہیں کہ ہر جبر سے بے نیاز ہو کر دین کو ویسا ہی بیان کریں، جیسا کہ انھوں نے سمجھا۔

عصر حاضر میں ایسے لوگ ہیں جنھوں نے دین کو جیسے سمجھا، اسی طرح بیان کیا۔ سماجی جبر کی پروا کی نہ ریاستی موقف کی۔ اس کے صلے میں ان کے لیے زمین تنگ کر دی گئی۔ بعض کی جان لے لی گئی اور بعض کو ہجرت پر مجبور کر دیا گیا۔ انھوں نے کسی کی جان لینے کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ بتایا کہ انسانی جان کی حرمت خود عالم کے پروردگار نے قائم کی ہے۔ اس حرمت کو اس کے حکم کے بغیر ختم نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے بتایا کہ جذبات دین کے تابع ہوں گے، دین جذبات کے تابع نہیں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ کہنا آسان نہیں کہ یہ بات عوامی مذاق کے خلاف ہے۔ دینی حمیت کے حامل دراصل یہی لوگ ہیں جنھوں نے اس کے باوصف یہ بات کہی اور اس کی قیمت دینے کے لیے تیار ہو گئے۔

اس میں شبہ نہیں کہ دینی حمیت کے تقاضے ہر وقت میں ایک جیسے نہیں ہوتے، اس لیے اظہار بھی ایک طرح سے نہیں ہو سکتا۔ اہل علم اس فرق کو جانتے ہیں۔ ان کا اصولی موقف، البتہ وہی رہا ہے جو امام احمد بن حنبل کا تھا: قرآن مجید سے کوئی دلیل لاؤ یا پھر سنت سے۔ میں اس کے علاوہ کسی چیز کو نہیں جانتا۔ اسی کا نام دینی حمیت ہے۔ لوگوں کو کسی ایسی بات پر ابھارنا جس کی دلیل مآخذ دین کے بجاے عوامی ذوق میں ہو، جذبات کی سوداگری کے سوا کچھ نہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ دینی دلیل سے کیا مراد ہے۔ ایک موقف اختیار کرنا اور پھر اس کی تائید میں رطب و یابس جمع کر دینے کو دینی دلیل نہیں کہتے۔ یہ اپنی راے یا جذبات کا اتباع ہے، نہ کہ دین کا۔

اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ اس باب میں عوام کی صحیح رہنمائی کریں۔ ان کا کام عوامی رو میں بہ جانا نہیں، اس کو تھامنا اور درست سمت دینا ہے۔ بلاشبہ، اس کی ایک قیمت ہے۔ یہ زندگی ہو سکتی ہے اور جلاوطنی بھی۔ عوام کے غضب کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اور ریاستی جبر کا بھی۔ دینی حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ صبر کے ساتھ ان مشکلات کا سامنا کیا جائے اور انسانی جذبات کی باگ دین کے ہاتھ میں دی جائے، نہ کہ دین کی باگ جذبات کو تھما دی جائے۔ جو اہل علم اس روش پر قائم رہتے ہیں، بلاشبہ وہی اہل عزیمت ہیں اور وہی دینی حمیت کا حقیقی مظہر ہیں۔

(بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور، ۳/ جون ۲۰۲۳ء)